تہذیبِ اسلامی کی عالمگیریت

☆ آسیہ کریم

ABSTRACT:

Now a days while Globalization has become talk of the street and through the knowledge explosion and media coverage and access it apparently seems that the world has really squeezed into a globe in hand.

Before the terminology of Globalization World Order was introduced after the Gulf War. From there onwards different interpretations were presented by the people aiming World Orders, Globalization off which the international hegemony of Super Power is the right one.

To achieve the goal of dominating the world and controlling all the resources became the target of Globalization. By this way Globalization became a dangerous weapon for humankind. Therefore protests and demonstrations were seen against the unwanted designs of Globalization.

In this article on one hand new meanings of Globalization are introduced and on the other hand the deep rooted constructive aspect of Islamic Globalization is introduced in comparison with Western Globalization. In this way this article presents an interesting study of two civilizations.

☆ ریسرچ سکالر علومِ اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور

کہا جارہا ہے کہ دورِ جدید ریاستوں اور مملکتوں کی حدود سے آگے نکل کر عالمگیریت کی منزل میں قدم رکھ چکا ہے۔ یہ نعرہ اس شدت سے بلند ہوا ہے کہ دنیا کے مذاہب ہوں یا فکری رجحانات اور تمدن وثقافت کے مظاہر.....دوبارہ سے اپنا جائزہ لینے پر مجبور کر دیے گئے ہیں۔عقائد وافکار، رسوم ورواج اور اوہام وخرافات، سبھی جدیدیت کی میزان میں اپنی افادیت ثابت کرنے کی تگ ودو میں مصروف ہیں۔ ہر جگہ فالتو بوجھ اُتارنے کی فکر ہے اور عام لوگ تک، عالمگیریت کے ممکنہ فوائد کے حصول کے لیے، نئے منظر نامے (سیناریو) میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش میں لگے ہیں۔ ذرائع ابلاغ اور ذرائع نقل وحمل کی ترقی اس پر مستزاد ہے۔

عالم انسانی اپنی اس نئی زقند پر حیرت اور سرشاری کے عجیب عالم میں ہے۔ ہر مقام تک رسائی کی صلاحیت اور ہر معاملے سے آگاہی کے وسائل تک دسترس، انسانیت کے لیے امکانات کا ایک نیا جہان کھول رہی ہے۔

؎ آرہی ہے دمادم صدائے کن فیکون

لیکن.....کیا عالمگیریت کے یہ ذرائع اور وسائل کسی اچانک دھماکے سے انسان کی دسترس میں آگئے ہیں.....؟ یا یہ انسانیت کے قرن ہا قرن سے جاری سفر کا وہ پڑاؤ ہے جس کے لیے ذرائع اور وسائل اب میسر آسکے۔

تصوّرِ عالمگیریت اور فکرِ اسلامی:

اسلامی فکر کے ایک طالب علم کے لیے.....عالمگیریت کوئی نیا تصور نہیں ہے۔ قرآن مجید اور دیگر صحائف مقدسہ میں بیان کردہ سلسلۂ نبوت انسانی ترقی کے مختلف ادوار کی نشان دہی کرتا ہے۔ آج سے تقریباً چار ہزار سال قبل، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ اس وقت تک انسانی وسائل اور تعلقات کی محدودیت کا دور لد چکا تھا اور انسانیت کی جولان گاہ وسیع ہورہی تھی۔ عراق سے ہجرت کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام دیگر علاقوں سے گزرتے ہوئے فلسطین میں قیام پذیر ہوئے تھے جہاں ان کے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل خوب پھلی پھولی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں، بیت المقدس کو باقاعدہ طور پر بنی اسرائیل کے لیے مراسم عبادت کا مرکز مقرر کر دیا گیا۔ یہود، جہاں بھی ہوں، انھیں پابند کیا گیا کہ وہ کفاروں، قربانیوں اور نذروں وغیرہ کے لیے وہاں حاضر ہوں۔ یوں ایک بڑی اور وسیع علاقے میں پھیلی ہوئی مذہبی برادری ایک مرکز پر جمع کر دی گئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنے پیروؤں کو اسی مرکز سے جوڑا۔

دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکے کی وادی "غیر ذی ذرع" میں اپنے دوسرے بیٹے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بسایا.....اور اس خطے میں اللہ کے جس گھر کی بنیادیں انتہائی اخلاص سے اٹھائیں.....وہ عالمِ عرب اور اولادِ اسماعیل علیہ السلام کے لیے قبلہ نگاہ اور مرکزِ عبادت بنا۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سے ہی، انسانیت کی بڑی اکثریت ان دو مراکز سے وابستہ چلی آ رہی تھی۔

تحویلِ قبلہ:

ختم المرسلین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت اگرچہ مکے میں ہوئی لیکن مشرکینِ عرب کے ساتھ ساتھ آپ نے "یا اھل الکتاب" کہہ کر یہود اور نصاریٰ دونوں سے خطاب کیا۔ یہ دراصل اس بات کا اعلان تھا کہ اب عالمگیریت کے اگلے اور اصل دور کا آغاز ہو چکا ہے۔ تحویلِ قبلہ کے ربانی فیصلے نے گویا مہر لگا دی کہ اب انسانیت کا مرکز بھی محض ایک ہی ہوگا۔ ﴿فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾(۱)

نبیؐ کی حیاتِ مبارکہ کے آخری دور میں نازل ہونے والی سورت "المائدہ" میں کعبۃ اللہ کی اس مستقل حیثیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾(۲)

امام راغبؒ لکھتے ہیں:

> "بیت اللہ کے قیاما للناس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کی دنیا اور آخرت کے معاملات کی اصلاح اور درستگی بیت اللہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ اصمؒ کا قول ہے کہ یہاں قیام بمعنی قائم ہے.....یعنی اس کی یہ حیثیت کبھی منسوخ نہ ہوگی۔"(۳)

نبوت محمدیؐ کی عالمگیریت اور ابدیت:

تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری انسانیت کو بیک وقت مخاطب کیا: ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ۨ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ﴾(۴)

ہندوؤں کی دعوت کو دیکھا جائے تو وہ صرف ابنائے ارض کے لیے تھی۔ وہ "دھرتی ماتا" سے پاؤں نہ چھڑا سکے تھے۔ انبیائے یہود محض اسرائیل کے بیٹوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے اور حضرت مسیح علیہ السلام نے صراحتاً فرمایا تھا.....کہ وہ "بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں" کو اکٹھا کرنے کے لیے مأمور کیے گئے

ہیں۔(۵)

حضور ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی واضح فرمایا کہ ان کی آمد کے بعد سابقہ انبیاء ورسل اور پرانی شریعتوں کے پیرو بھی.....نجات کے لیے ان پر ایمان لانے کے پابند ہیں:

"والّذی نفسُ محمد بیدہ لا یسمع بی أحد من ھذہ الأمّۃ یھودی ولا نصرانی ثمّ یموت ولم یؤمن بالّذی أرسلتُ بہ إلّا کان من أصحاب النّار"(۶)

رسالتِ محمدی کی عالمگیریت وابدیت محض صادق ومصدوقؐ کا دعویٰ نہیں بلکہ اس کی پیشین گوئیاں تورات وانجیل میں آج بھی جابجا ملتی ہیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وقتِ وفات اپنی قوم کو" فاران کے پہاڑ سے آتشی شریعت کے ساتھ جلوہ گر ہونے والے"(۷) کی جو خبر دی تھی.....اس کے بارے میں فرمایا تھا..... "قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔"(۸)

مزامیر داؤد میں بنی اسرائیل کو نبی موعود کے بارے میں فرمایا گیا....."میں تیرے نام کی یاد کو نسل در نسل قائم رکھوں گا اس لیے امتیں ابدالآباد تیری شکرگزاری کریں گی۔"(۹)

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾(۱۰)

اور جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ابدیت" کی بشارت ان الفاظ میں دی....."اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمھیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ "ابد" تک تمھارے ساتھ رہے۔"(۱۱)

آخری پیغام الٰہی کی عالمگیریت:

نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام آخری پیغام تھا.....﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾(۱۲) تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت۔

سورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا: ﴿الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾(۱۳)

"ربّ النّاس" کی طرف سے آنے والے اس پیغام کی عالمگیریت یوں بھی واضح ہے کہ سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے باوجود سلسلۂ دعوت جاری ہے.....اور اس سلسلۂ دعوت کا امین برہمنوں کا نسلی گروہ، یا ہارون علیہ السلام کا خاندان "بنی لاوی" یا پھر کلیسا کی جماعت نہیں، بلکہ امت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ایک ایک فرد اس

مقصدِ جلیل کے لیے اپنے اپنے مقام پر "مبعوث" ہے۔

قرآنِ مجید نے امتِ مسلمہ کو یہ وراثتِ نبوت ان الفاظ میں منتقل کی: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ﴾(۱۴)

اور حدیث میں تو صاف "بعثت" ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے: "إنّما بعثتم میسّرین" (۱۵)

مقصود یہ تھا کہ انسانوں کا کوئی خاص گروہ تو مفادات کا اسیر ہو کر احکام الٰہی میں تحریف و تبدیلی کر سکتا ہے جیسا کہ اہلِ کتاب نے کی ﴿يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ نَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ﴾(۱۶)

اور انسانوں تک پہنچانے میں سستی اور کوتاہی بھی..... ﴿فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ﴾(۱۷) چنانچہ پوری اُمت کو ذمہ دار بنا کر، سچائی اور عدل پر مبنی ضابطہ تمام انسانوں تک پہنچانے کا غلطی سے پاک (Fool Proof) انتظام کیا گیا۔

قرآنِ مجید کی دعوتِ سراپا سچائی ہے اور اس کی تعلیم سراپا عدل ﴿وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾(۱۸)

حیاتِ انسانی کے لیے ایسے عادلانہ ضابطوں کا تعین، شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خیال میں، قرآنِ حکیم کا اصل اعجاز ہے۔ فرمانِ الٰہی ﴿ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾(۱۹) میں بھی یہی واضح کیا گیا ہے کہ "اب انسانوں کے معاش اور معاد، دونوں کی اصلاح اور بقا اسی سے وابستہ ہے"۔ (۲۰)

دعوتِ دین کے اس فریضے کا احساس اُمت میں، کم و بیش ہمیشہ زندہ رہا..... ایرانیوں کے دربار میں جناب ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ہمارے آنے کا مقصد محض یہ ہے کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔(۲۱) اور اسی احساس نے طارق بن زیاد کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے تھے جب اس نے اپنا گھوڑا سمندر میں ڈالا، کہ الٰہی! سمندر حائل نہ ہو تو تیرا پیغام دنیا کے آخری کونے تک لے جاؤں۔ یہ الفاظ واضح کر رہے ہیں کہ مسلمانوں کی جنگ، ہوسِ ملک گیری کی تسکین کے لیے کبھی نہ تھی..... یہ تو بندوں تک ان کے رب کا پیغام پہنچانے کے جلیل القدر نصب العین کے لیے قلبی اضطراب کے عملی اظہار کی ایک صورت تھی۔

دورِ حاضر کا خود ساختہ خوف (Phobia):

اہلِ مغرب اس رومن ایمپائر کے فکری اور دینی وارث ہیں جو پہلی صدی ہجری میں اسلام کے زیرِ نگین آئی.....اور اس شان سے آئی کہ ترکیہ سے لے کر مصر و شام اور فلسطین تک مذہب، تمدن، معاشرت اور زندگی کے ہر چھوٹے بڑے معاملے میں اسلامی اُصولوں کے سامنے سپر انداز ہوگئی۔ دوسری طرف اس دینِ حق نے ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصوں کو متاثر کیا (بعد کی صدیوں میں یورپ کو بھی) یوں ایک ہزار سال سے زیادہ کا عرصہ اس طرح گزرا کہ یہ تہذیب اور فکری نظام اقوامِ عالم کی رہنمائی کرتا رہا۔

بعد کے ادوار میں جب مسلمان دعوت الی اللہ کی ذمہ داری اور ان فرائض سے، جو "خلفاء اللّٰہ علی الارض" کی حیثیت سے ان پر عائد ہوتے تھے، غافل ہوئے، تو جمود اور نتیجۃً انتشار کا شکار ہوئے اور دوسری قوموں کو راستہ مل گیا۔ یہی دور تھا جب پندرہویں اور سولھویں صدی عیسوی میں اہلِ مغرب نے کلیسا کی پابندیوں اور جکڑ بندیوں کو رد کرتے ہوئے انگڑائی لی اور ان کے ہاں "نشاۃِ ثانیہ" کا دور شروع ہوا۔ دنیا میں ان کے اوّلین حریف مسلمان ہی تھے۔

یہ تاریخ کا المیہ تھا.....اور آنے والے دور میں انسانیت کے لیے ایک تلخ تر دور کا نقطۂ آغاز.....کہ اہلِ مغرب آسانی سے مسلم علاقوں پر قابض ہوتے گئے اور مسلمان مادی، عسکری اور تمدنی اعتبار سے پیچھے چلے گئے۔ (۲۲)

اس وقت تو اہلِ مغرب ایک سرشاری کے عالم میں دنیا فتح کرنے اور اسبابِ دنیا زیادہ سے زیادہ سمیٹ لینے، بلکہ صحیح الفاظ میں لُوٹ لینے کی مہم میں مصروف تھے (مثلاً برصغیر کی مثال)۔ (۲۳) مگر جب کچھ وقت گزرا، محکوم قوموں میں مزاحمت کی تحریکیں اُٹھیں اور مغربیوں کو پسپا ہونا پڑا تو انھیں پھر سے اپنا جائزہ لینے اور اس سوال پر غور کرنے کا موقع ملا کہ سیاسی غلبہ تو دوسری قوموں نے بھی رد کیا ہے مگر آخر مسلمان ہی کیوں تھے جو مغرب کی تہذیب سے مطمئن نہ ہو سکے؟ انھی کے معاشروں میں بار بار اضطراب کی لہریں کیوں اُٹھنے لگتی ہیں اور اپنے ماضی اور اپنے دین کی طرف مراجعت کے جذبے کیوں انگڑائیاں لینے لگتے ہیں؟؟

یہ ایک مسلمان کی حیثیت سے دیکھنے والے کی خود فریبی نہیں..... بلکہ حقیقت ہے (جو خود ان کی تحریروں سے عیاں ہے) کہ مغربی مفکّرین بجا طور پر اس نتیجے تک پہنچ گئے کہ مغرب کا سیاسی غلبہ تو بہر حال محدود ہو کر رہنا تھا کہ انسانی فطرت میں حریّت اور آزادی کے "جراثیم" موجود ہیں مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کے

بشیر.....لیکن اہم تر مسئلہ یہ ہے کہ ان کا فکری غلبہ بھی ہمیشہ قائم نہیں رہ سکے گا۔ اسلام، جسے وہ عسکری، معاشی اور سیاسی میدانوں میں شکستِ فاش دے چکے ہیں.....نظریاتی اور فکری محاذ پر اسی تازگی اور توانائی کے ساتھ کھڑا ہے جو ابتدائی دورِ عروج سے اس کا طرّۂ امتیاز ہے اور اپنے اندر اسی قدر امکانات لیے ہوئے ہے جیسا کہ اپنی تاریخ کے پہلے دور میں تھا۔

انھوں نے تجزیہ کیا اور اس نتیجے تک پہنچے کہ مغرب کی نام نہاد سیکولر تہذیب جس نئے عالمی نظام (World Order) کا ڈول ڈالنا چاہتی ہے اور اس کے لیے استعماریت، اباحیت اور ظلم واستحصال کی ہر صورت کو ہتھیار بنا کر استعمال کرنا چاہتی ہے.....اس راستے میں مزاحمت کا امکان اگر کہیں ہے تو محض مسلم معاشروں میں ہے۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو[۲۴]

تہذیبی کشمکش کا نظریہ:

خود ساختہ خوف کی نفسیات کے عین مطابق اہلِ مغرب نے اسلام کو اپنی توپوں کے دہانے پر رکھ لیا۔ اسلامی اُصولوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع ہوئی اور ساتھ ساتھ مسلمانوں کو دیوار کے ساتھ لگانے کی کوششیں، کہیں براہِ راست اور کہیں اپنے گماشتہ حکمرانوں اور کاشتہ اشرافیہ کے ذریعے..... ذرائع ابلاغ میں ترقی سے بھی بہت فائدہ ہوا اور پراپیگنڈے کے جدید ترین ہتھیاروں سے فکری محاذ پر جنگ چھیڑ دی گئی۔

پہلے مستشرقین میدان میں اُترے، ان کا دور لد گیا اور ان کی "تحقیق وتفتیش" کچھ ٹھنڈی پڑی تو مؤرخین بروئے کار آئے۔ ٹائن بی (Toynbee) کا پیش کردہ تہذیبی کشمکش کا نظریہ (جس کی لَے اس کی اپنی تحریروں میں مدھم رہی، دورِ حاضر کے شور کی نسبت) بالآخر تہذیبی تصادم اور مختلف تہذیبوں کے درمیان گرم معرکے کی پیشین گوئی تک جا پہنچا۔ (مثلاً ہنٹنگٹن کی مشہور کتاب Clash of Civilization) خوف مزید بڑھا تو "فوکویاما" کی فکری کاوشوں نے اس معرکے کے تصوّراتی انجام کو "End of History" کا نام دیا۔ ظاہر ہے، عالمِ انسانی اس خوفناک انجام سے دہشت زدہ ہو گیا۔

لیکن کیا یہ خود ساختہ خوف (Phobia) کسی درجے میں بھی اس حقیقت سے مطابقت رکھتا ہے جو دینِ رحمت کی اصل ہے.....یعنی انسانوں کو انسانوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں لانا، اسلام کے

ضابطۂ عدل وقسط سے متعارف کروانا اور نتیجے میں حیاتِ دنیا کی مسرت وطمانیت کی ضمانت اور آخرت میں فوز و فلاح کی یقینی اور حتمی بشارت دینا۔

یہ اللہ ربّ العالمین کا وعدہ ہے۔ ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (۲۵)

قاضی بیضاوی "حیوۃ طیبہ" کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اس سے مراد یہ ہے کہ دنیا میں ہم اسے پاکیزہ اور خوشگوار زندگی سے بہرہ ور کریں گے۔ اگر خوش حالی دیں گے تو معاملہ ظاہر ہے اور اگر تنگ دست رہے گا تو بھی قناعت، اپنے رب کی تقسیم پر راضی رہنے اور آخرت کے اجرِ عظیم کی توقع پر خوش رہے گا۔ بخلاف کافر کے، کہ تنگ دست ہو تو زندگی تلخ ہے ہی، مال دار ہوگا تو بھی حرص وہوس اور اندیشہ ہائے دور ودراز اسے خوش اور مطمئن نہیں ہونے دیتے۔" (۲۶)

موجودہ صورتِ حال:

موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ غبار اتنا اُڑا دیا گیا ہے جس میں اصل مسئلہ فراموش ہو کر رہ گیا ہے۔ کشمکش اگر واقعی تہذیبوں کی ہے تو تہذیبی اُصولوں کا مطالعہ اور مقابلہ (Comparison) ہی کافی تھا۔ بحث ومباحثہ اور مکالمہ بھی ممکن ہے۔ مسلمان اگر دلیل سے بات کرنے کو ہمیشہ تیار ہیں تو بازومروڑنا کیوں ضروری ہے؟

غالباً یہ مغرب کی اس شکست خوردہ ذہنیت کی وجہ سے ہے کہ وہ اسلامی اصولوں کی قوت، فوقیت اور برتری کے واضح دلائل کے باوجود اس کے اعتراف اور تسلیم کر لینے سے گریز کی روش اپنائے ہوئے ہے.....حالانکہ یہ حقائق خود ان کے دانش وروں کے قلم سے پھسل پھسل جاتے ہیں۔

ذیل میں تہذیبِ اسلامی کے ان چند نمایاں پہلوؤں کا مختصر تذکرہ ہے جن حوالوں سے اسلام آج خاص طور پر معرضِ کشمکش میں ہے.....ان پہلوؤں کے مطالعے سے واضح ہے کہ مغرب کا گمان اور مسلمانوں کا ایمان ویقین بالکل درست ہے کہ اس کرۂ ارض پر بسنے والے انسان اگر ایک عالمی گاؤں (Global Village) کی آبادی، اور عالمی معاشرے کا حصہ ہیں تو اس عالمی نظام کی بنیادیں صرف اسلام ہی فراہم کر سکتا ہے۔

عقیدہ:

تہذیبوں کی بنیاد عقائد پر ہے۔ ہنٹنگٹن (Huntington) جغرافیائی سرحدوں، قومیّتوں،

زبانوں، تمدن وثقافت کے مظاہر اور طرزِ حیات کا جائزہ لیتا ہے.....اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ:

"تہذیبوں کی تعریف متعین کرنے والے سارے معروضی عناصر میں عموماً سب سے زیادہ اہم مذہب رہا ہے۔ بہت بڑے درجے پر انسانی تاریخ کی بڑی تہذیبیں دنیا کے عظیم ترین مذاہب سے موافق رہی ہیں۔ وہ لوگ جو نسل اور زبان کے لحاظ سے موافق ہوں لیکن مذہب کے حوالے سے مختلف، وہ ایک دوسرے کو ذبح کر سکتے ہیں، جیسا کہ لبنان، سابق یوگوسلاویہ اور برِصغیر میں واقع ہوا ہے.....جبکہ مختلف نسلوں کے لوگوں کو ایک مذہب متحد کر سکتا ہے جیسا کہ عظیم تبلیغی مذاہب، اسلام اور عیسائیت، مختلف نسلوں پر مشتمل معاشروں کو محیط ہیں۔" (۲۷)

ہے تو یہ مسلّمہ حقیقت، ھنٹنگٹن کی گواہی محض "تاکید مزید" کے لیے تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ آج کے دور میں کون سا مذہب عالمگیر تہذیب مہیا کر سکتا ہے۔

ہندو صنمیات تو خود ہندوؤں کو مطمئن نہیں کر سکی۔ نتیجتاً ان کے مذہبی اور سماجی مفکرین تاویل کرتے ہیں کہ یہ مذہب ہے ہی نہیں..... بلکہ معاشرتی رسوم ورواج کے مجموعے کا نام ہے۔ (۲۸)

توحید کا آفاقی تصور رکھنے کے باوجود (۲۹) یہود محض ایک نسلی گروہ بن کر رہ گئے، جو خداوند کا پیارا ہے اور اس کا محبوب۔ ﴿نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ﴾ (۳۰) باقی سارے انسان اُمی ہیں (Gentiles) جو برابری کے سلوک کے ہرگز مستحق نہیں ہو سکتے۔ ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ (۳۱)

عیسائیت، یہودیت کی فکری اور قانونی (شرعی) میراث کو آج تک سینے سے لگائے ہوئے ہے۔ عہد نامۂ عتیق کے صحیفوں کا پہلا حکم یعنی توحید.....دعوتِ مسیحؑ کا پہلا نکتہ بھی تھا۔

"تو خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے۔" (۳۲)

لیکن رومی اور یونانی صنمیات اور فلسفے کی آمیزش سے عیسائیت نے خالص توحید کے اس تصور کو تثلیث سے بدل لیا جو سمجھنے نہ سمجھانے کا ایک معمّہ ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی اعلیٰ اخلاقی تعلیمات کے باوجود، عیسائیت توحید اور رسالت کے بنیادی مسائل پر اپنے ماننے والوں کو مطمئن نہیں کر سکی۔ کچھ ہی عرصہ پہلے دنیا سے رُخصت ہونے والے عیسائیت کے چوٹی کے مذہبی رہنما، اسقف اعظم یعنی پوپ، جان پال دوم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ تثلیث (Trinity) کے عقیدے کی قابلِ فہم تشریح کی کوشش کریں گے، لیکن عالمِ عیسائیت کے ساتھ

ساتھ، بہت سے ان لوگوں کو بھی اس بات سے صدمہ پہنچا، جو اس "قابلِ فہم" تشریح کے انتظار میں تھے..... کہ جناب پوپ اپنی دستاویزات جلا دینے کی وصیت کے ساتھ دنیا سے رُخصت ہوئے ہیں۔ ایسے میں دنیا کا ہر سوچنے سمجھنے والا انسان اسلام کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

توحید..... اسلام کا اساسی عقیدہ:

اسلامی تعلیمات کا بیان توحید..... فطرتِ انسانی کی پکار ہے۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ توحید کے بیان میں قرآنِ مجید میں ذاتِ باری تعالیٰ پر دلائل قائم نہیں کیے گئے۔ ہر شخص فطرتاً اس کا قائل ہے۔ قرآنِ مجید نے خدا کی وحدانیت پر دلائل قائم کیے ہیں۔ دلائل ہیں بھی سادہ..... بارش کون برساتا ہے؟ سبزہ کون اُگاتا ہے؟ مشکل وقت میں انسان بے اختیار کس کو پکارتا ہے؟ خود انسان کس کی تخلیق کا شاہکار ہے؟ (۳۳)

نبیٔ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اقرارِ توحید کو انسان کی سرشت میں لکھا ہوا بتلایا ہے، ارشاد ہے۔ "ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں۔" (۳۴)
(بعض روایتوں میں فطرت کی جگہ اسلام ہی کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے)۔

اسلام اس فطری عقیدۂ توحید کو نقطۂ اتحاد بنا کر انسانیت کو اس کی طرف دعوت دیتا ہے۔

﴿ قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ (۳۵)

اگرچہ دینِ اسلام زندگی کے ہر پہلو کے بارے میں اُصولی تعلیم دیتا ہے لیکن یہاں یہ بات بڑی معنی خیز ہے کہ جس عقیدے کو "کلمۂ سواء" ٹھہرایا..... وہ محض توحید ہے۔ شرک کی ہر قسم کی آمیزش سے پاک۔ آیت کا اگلا حصہ اس خیال کی مزید وضاحت کرتا ہے۔

﴿ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ (۳۶)

یہاں قرآنِ مجید کی دعوت بڑی واضح ہے۔ آؤ ہم مل کر فیصلہ کر لیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے، اپنے میں سے ایک دوسرے کو، اللہ کو چھوڑ کر "ارباب" نہیں بنائیں گے۔

مراد یہ ہے کہ یہ بیچ کے واسطے ہٹائیے۔ یہ احبار و رھبان وہی ہیں جنھوں نے شریعتِ موسویؑ اور دینِ مسیحؑ پر اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ تحریف، کتمان، تبدیلی، سب کچھ کرتے جاتے ہیں۔ انھی نے انسانیت کو پھاڑ دیا ہے۔ ان سب کو ان کے ادنیٰ مفادات سمیت ایک طرف کر دیا جائے تو توحید کے

"کلمۂ سواء" پر متفق ہونا کچھ مشکل نہیں۔

مساواتِ انسانی:

توحید کا تصور، عالمگیریت کی ایک اور اہم بنیاد، "مساوات" کی بھی اصل ہے۔ خالق کائنات وحدہ لا شریک ہے۔ یہ کائنات اور اس میں بسنے والی عقل وشعور سے مالا مال مخلوق، انسان، اسی کے دستِ قدرت کا شاہکار ہے۔ اولین انسان اس نے خود تخلیق کیا، اس میں اپنی روح پھونکی اور پھر ایک منصوبۂ کار کے تحت اس کو زمین پر بھیجا۔

آج کا انسان.....اس اولین انسان اور پیغمبر "آدم علیہ السلام" کی اولاد ہے۔ شعوب وقبائل تو صرف پہچان کے لیے ہیں۔ ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ﴾ (۳۷)

اولادِ آدم کی مساوات کا یہ تصور صرف اسلام کی دَین ہے۔ فراعنہ اپنے آپ کو رب الشمس کی اولاد کہلاتے تھے۔ (۳۸) برہمن بھی چاند سورج سے کم کسی کی اولاد ہونے پر راضی نہیں ہوتے (چندر بنسی اور سورج بنسی خاندان) (۳۹) اور ساری مخلوق کو اپنے سامنے سجدہ ریز دیکھنا چاہتے ہیں۔ یہودیت کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ تہذیب مغرب کا زعمِ برتری سب کے سامنے ہے۔ آج کی عیسائی دنیا، جو مغربی تہذیب کی علمبردار ہے، ترقی یافتہ اور ترقی پذیر، غریب اور امیر، مشرق اور مغرب کے فرق کی بنیاد پر انسانیت سے معاملہ کر رہی ہے۔ گورے اور کالے کا فرق تو عرصے سے مسئلہ اور دردِ سر ہے۔ آج بھی یورپ اور امریکہ میں احساسِ محرومی کے ستائے ہوئے کالوں کی اکثریت اسلام قبول کر رہی ہے۔ مساوات کے وہ مناظر، جو مسلمانوں کے ہاں پنج وقتہ نماز اور خاص طور پر حج میں بڑے پیمانے پر نظر آتے ہیں، وہ کہیں اور نہیں ملتے۔

ٹائن بی نے دورِ حاضر کی مغربی تہذیب کی اس مہلک غلطی کا کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے اور اسلام کے اصول مساوات کو اس کا بہترین علاج قرار دیا ہے.....

"The extinction of race consciousness as between Muslims is one of the outstanding moral achievements of Islam, and in the contemporary world, there is, as it happens, a crying need for the propagation of this Islamic virtue.....It is a fatality of the present situation that this

consciousness is felt and felt strongly."(۴۰)

آگے چل کر وہ واضح طور پر کہتا ہے کہ اگر آج نسلی جنگوں کا کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے، تو ماضی کی طرح، اسلام ہی کے پاس اس مسئلے کا حل مل سکتا ہے۔

" If the present situation of mankind were to precipitate a race war, Islam might be moved to play her historic role once again."(۴۱)

اخوت:

عالمگیر اسلامی تہذیب کی داخلی قوت کا انحصار "اخوت" پر ہے۔ وہ لوگ، جو اس تہذیب کے اُصولوں پر ایمان لائیں.....آپس میں بھائی ہیں۔ ان کا آپس کا تعلق رحم کا ہے۔ ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (۴۲) برادرانہ تعلق میں بے انتہا نرم خو ہیں ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (۴۳)

اسلامی برادری کا یہ تصور جہاں مسلمانوں کے لیے سرچشمۂ قوت اور باعثِ اطمینان ہے، وہیں عالمِ انسانی کے لیے بے انتہا پرکشش بھی ہے۔ مغربی تہذیب کی شیرازہ بندی کا اہم ترین عنصر "قومیت" (Nationalism) ہے.....لیکن جغرافیائی حدود کے اشتراک پر قائم ہونے والی اجتماعیت وہ نتائج نہیں پیدا کر سکتی جو اللہ پر ایمان اور اس کی مخلوق سے محبت و مواسات کے ذریعے اس کے قرب و رضا کی خواہش سے پیدا ہو سکتے ہیں۔

محمد مارماڈیوک پکتھال دونوں تہذیبوں کے تحت زندگی گزارنے کا تجربہ رکھتے تھے۔ اسلامی تہذیب کے اس پہلو کو انھوں نے بڑی فراخ دلی سے سراہا ہے۔

"مسلمان اپنے بعض کارنامے آج بھی پیش کر سکتے ہیں مثلاً اخوتِ اسلامی، مسلمان دنیا میں آج بھی ایک عظیم الشان، عدیم النظیر اور وسیع ترین اسلامی برادری ہیں۔ یہ برادری اس حسد اور باہمی نزاع سے قطعاً پاک ہے جو مغربی سماج کے لیے ایک مستقل اور محکم خطرہ ہے۔" (۴۴)

اپنے خطبات میں ایک اور موقع پر وہ تصورِ اخوت کو انسانیت کے دکھوں کا مداوا کہتے ہیں:

"جمعیتِ اقوام انسانوں کے دکھوں کا مداوا کر سکے گی، یہ ایک خوش فہمی ہے۔ یہ جمعیت صرف اس وقت کامیاب ہوسکتی ہے جب اس کا نصب العین عالمگیر اخوت کا پیغام ہو۔ کون نہیں جانتا کہ دنیائے اسلام کی سیاسی بے بسی اور پراگندگی کے باوجود مسلمانانِ عالم کے دل آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ اخوتِ اسلامی کے اس نظارے سے بے تاب ہوکر بعض لوگ چلاّ اُٹھتے ہیں کہ مسلمان قوم پرستی اور وطن پرستی کے جذبات سے عاری ہیں اور ان میں مذہبی جوش وخروش کوٹ کوٹ کو بھرا ہوا ہے۔ یہ بدنصیب لوگ تو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے بلند ترین اور برتر بین الاقوامی اصولوں کو خیر باد کہہ دیں اور جارحانہ قوم پرستی کا راستہ اختیار کر لیں۔ اگر خدانخواستہ کبھی مسلمانوں نے ایسا کیا تو وہ قرآنِ کریم کے الفاظ میں "بہترین چیز کے بدلے میں بدترین چیز لیں گے۔" (۴۵)

رواداری:

اسلامی تہذیب کی عالمگیریت کی دلیل اس کا اصولِ رواداری بھی ہے۔ یہ احترامِ آدمیت اور ﴿لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ﴾ (۴۶) کی تعلیم کا ثمرہ ہے۔

یہود کا انسانوں سے شائیلا کی طرز عمل (جو ضرب المثل ہے) ہو یا صلیبی جنگوں میں عیسائیوں کا کردار..... حتی کہ موجودہ (Crusade) میں مغربی تہذیب کے داعیوں کا ظلم وتشدّد اور بربریت، مثلاً بوسنیا، عراق اور افغانستان، ان سب سے واضح ہے کہ مغربی تہذیب انسانوں کا دل نہیں جیت سکتی۔

عراق میں حالیہ جنگ سے پہلے ہی، ادویات پر پابندی کی وجہ سے پانچ لاکھ عراقی بچے اجل کا شکار ہوئے۔ امریکی داخلی سلامتی کی مشیر میڈلین البرائٹ کی توجہ اس طرف مبذول کروائی گئی تو رعونت سے بھرے لہجے میں گویا ہوئیں..... "یہ امریکی مفادات کی کوئی بڑی قیمت نہیں ہے۔"

کہاں یہ طرزِ عمل اور کہاں اسلام کی تعلیمِ عدل ومروّت.....!

﴿مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا﴾ (۴۷)

یہاں قتلِ نفس مطلقاً منع ہے۔ مسلم اور غیر مسلم کی تمیز کے بغیر۔

مسلمانوں کی رواداری تاریخ میں بھی ضرب المثل رہی ہے۔ سلطنتِ روم کے اکثر علاقے مسلمانوں نے لڑ کر فتح کیے تھے۔ لیکن بیت المقدس کی چابیاں "اسقف اعظم" نے خود حضرت عمرؓ بن خطاب کو پیش کی

تھیں۔[۴۸] یہود ہمیشہ اسلامی سلطنت کے سایۂ عاطفت میں پناہ گزین رہے۔ محمد بن قاسمؒ کے جانے کے بعد اس کے مجسمے مسلمانوں نے نہیں، ہندوؤں نے بنائے تھے۔ یہ اس بے مثال رواداری کا نتیجہ تھا جس کا نظارہ اہلِ ہند نے کبھی نہ کیا تھا۔

دورِ حاضر میں بھی سخت ترین حالات اور مصائب و آلام کے باوجود رواداری کا علَم مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہی ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں پر روزانہ کے ظلم وستم کے باوجود، پاکستان میں ہندو محفوظ و مامون ہیں.....عرب ریاستوں میں کاروبار کر رہے ہیں.....مغرب کی اشتعال انگیز ابلاغی جنگ کے باوجود شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز کی گزشتہ سال ۲۰۰۹ء میں بین المذاہب مکالمے کے لیے بلائی گئی کانفرنس اسی مسلم رواداری کے احساس کا اظہار ہے۔۔

امنِ عالم:

عالمی امن کا قیام، تعلیماتِ نبویہؐ کی پیروی کے بغیر ایک خواب ہی رہے گا۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ "حجۃ اللہ البالغہ" میں بڑے زور دار انداز میں اس نکتے کو اُٹھاتے ہیں کہ اسلام دنیا بھر میں قیامِ امن کا محض داعی نہیں..... بلکہ مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ وہ نصوص سے ثابت کرتے ہیں کہ نبیٔ محترمؐ "ارتفاقِ رابع" یعنی عالمی خلافت کے قیام کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ ایسی مضبوط خلافت، جو چھوٹی سلطنتوں اور مملکتوں کا مجموعہ ہو، ایک خلیفہ کی قیادت میں جمع ہو کر جارح اور استعماری عزائم رکھنے والی، فتنہ وفساد کی علمبردار اور دوسروں کے وسائل پر بزورِ قابض ہو جانے والی قوتوں کا مقابلہ کرے۔ یہ خلافت محض مسلمانوں ہی کے لیے امن وسکون کی نوید نہیں ہوگی بلکہ یوں پوری دنیا، اسلام کے سایۂ عدل وقسط کے نیچے آئے گی۔[۴۹] ﴿قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾[۵۰]

اسلام اپنا ایک معاشی نظام رکھتا ہے جس میں وسائل کی لوٹ مار نہیں.....وسائلِ معاش پر محض بالائی طبقوں کا قبضہ نہیں۔ سٹے اور سود کا نظام نہیں جس کی وجہ سے پیدا ہونے والے عالمی بحران نے مغربی حکومتوں کو لرزا کر رکھ دیا ہے۔ ماہرینِ معیشت بھی.....اور "آرچ بشپ آف کنٹربری" بھی کہہ رہے ہیں کہ یہ انسانوں کے لائے ہوئے سودی نظام کی پیدا کردہ مصیبت ہے۔ انسانوں نے انصاف چھوڑ رکھا ہے۔[۵۱] معاشی بحران، سیاسی بحران کو جنم دے رہا ہے.....معاشرت، خاندانی نظام، اخلاق، سبھی کچھ داؤ پر لگا ہے اور ابتری ہے کہ پھیلتی جا رہی ہے۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ﴾[۵۲]

امن کی ضمانت عدل ہے۔ امام رازیؒ کہتے ہیں..... "عدل ہی پر تو زمین و آسمان قائم ہیں۔" (۵۳) انبیاء کرامؑ کا مقصدِ بعثت، عدل ہی کا قیام ہے۔ ﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (۵۴) تعلیم نبوی کا ایک ایک جزو، زندگی کے ہر دائرے میں عدل کی تعلیم پر مشتمل ہے۔ صلح و جنگ میں، معیشت اور سیاست میں، خاندانی زندگی میں، اور خود انسان کے رجحانات و میلانات میں عدل..... فرد اور معاشرے دونوں کو امن و سکون عطا کرتا ہے۔

اسلامی معاشرے کا داخلی امن..... حدود و تعزیرات کے ذریعے قائم کیا گیا۔ خارجی امن کا ذریعہ جہاد ہے کہ فساد کرنے والوں سے فساد کی صلاحیت ختم کر دی جائے۔ یوں، اپنی تعلیم کے اس بے مثال عدل کی وجہ سے ہی اسلام، سلامتی ہے۔ (سلم، حرب کی ضد ہے۔ (۵۵)) ایمان کا مادہ "امن" ہے۔ اور السّلام علیکم مسلمانوں کا شعار ہے۔ یوں لغوی اعتبار سے بھی، اور تعلیمات کے حوالے سے بھی، سلامتی، امن اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔

عالمِ انسانی کی نجات کا لائحہ عمل:

دورِ حاضر میں مغرب کی مادی ترقی اور علومِ طبعی میں انکشافات و تحقیقات کے حوالے سے مسلم دنیا پر برتری مسلّم ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ مغربی تہذیب میں فکری اعتبار سے کتنے ہی خلا موجود ہیں..... انھیں خود اعتراف بھی ہے کہ اسلامی تہذیب اس باب میں ان پر سبقت رکھتی ہے۔ ایسے میں عقل و شعور اور انسانی ہمدردی کا تقاضا ہے کہ مغرب اور اسلام دوبارہ سے اخذ و قبول کا وہ سلسلہ شروع کریں جو ماضی میں بھی انسانی معاشروں اور تہذیبوں کے ارتقاء کا ذریعہ رہا ہے۔ مگر یہ تب ہو سکے گا جب مغرب، تہذیبوں کے خاتمے کے خود ساختہ خوف سے باہر نکلے، جنگ کی روش ترک کرے اور تعاون کی ضرورت کا احساس کرے۔

یہ تعاون ناممکن نہیں ہے۔ اہلِ مغرب نے پہلے بھی مسلمانوں سے استفادہ کیا ہے۔ سپین اور سسلی میں مسلمانوں سے سیکھا۔ سائنسی علوم کے بنیادی اُصول اور تجربات کا طریقہ مسلمانوں سے لیا۔ ایسے ہی خود مسلمانوں کے ہاں فلسفے اور علومِ طبعی کا ذوق و شوق یونانی کتب کے تراجم کے بعد پروان چڑھا۔ اگر یہ تعاون اس وقت ممکن تھا جب دنیا "گلوبل ویلج" نہیں بنی تھی، تو اب اس میں کیا مانع ہے؟

ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک طرف تو مغرب احساسِ برتری (Superiority Complex) کے خول سے باہر آئے۔ با مقصد و بامعنی مکالمہ اور اس اخذ و استفادے کا عمل شروع کرے جو تہذیبی ترقی کا ضامن ہے۔ محکم عقیدے، احترامِ آدمیت، حقوقِ نسواں، امنِ عالم، رواداری، برداشت اور تحمل کے باب

میں تعلیماتِ اسلامی کی سبقت کا اعتراف کرے۔ توحید کے اس تصور کی طرف لوٹ کر آئے جو ادیانِ سماویہ کا اصل الاصول ہے اور رنگ و نسل کی تمیز اور جغرافیائی سرحدوں سے بلند تر ہو کر عالمِ انسانی کو یکسانیت و ہمہ گیری کا خوبصورت ترین رنگ عطا کر سکتا ہے۔ ﴿صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً﴾(۵۶)

دوسری طرف مسلمانوں کی ذمہ داریاں دو چند ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ تہذیبِ اسلامی کے اعلیٰ اصولوں کا انفرادی اور اجتماعی زندگی میں عملی نمونہ پیش کریں، کہ نبیٔ محترمؐ کے دور میں بھی تہذیبِ اسلامی کا انفجار ریاستِ مدینہ کی تشکیل کے بعد ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ بلاشبہ وہ نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثہ علم (کتاب وسنت) کو حرزِ جاں بنائے بیٹھے ہیں، لیکن دعوتِ دین کے لیے کرب واضطراب کی اس تپش سے محروم ہیں جو نبیٔ محترمؐ کی سیرت کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾(۵۷)

دردِ دل کی یہ متاعِ بے بہا جب اُمتِ مسلمہ کو نصیب ہو جائے گی تو پوری انسانیت ہلاکت و بربادی کے منحوس چکر سے باہر نکل سکے گی اور امن واطمینان اور سعادتِ دارین کی منزل کی طرف پیش قدمی شروع کرے گی۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل — یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الٰہ میں ہے
مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا — وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے (۵۸)

حوالہ جات

(۱) البقرۃ ۲:۱۵۰
(۲) المائدۃ ۵:۹۷
(۳) مفردات القرآن، ص ۸۷۸
(۴) الأعراف ۷:۱۵۸
(۵) انجیل متی-۱۵:۲۵
(۶) صحیح مسلم، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالۃ نبینا محمد إلی جمیع الناس، رقم الحدیث ۲۱۸
(۷) استثناء ۳۳:۲

(۸) پیدائش ۴۹:۱۰

(۹) زبور ۴۵:۱۷

(۱۰) الانشراح ۹۴:۴

(۱۱) یوحنا ۱۴:۱۶

(۱۲) البقرۃ ۲:۱۸۵

(۱۳) ابراہیم ۱۴:۱

(۱۴) آل عمران ۳:۱۱۰

(۱۵) الجامع الصحیح للبخاری، کتاب الوضوء، باب صب الماء علی البول فی المسجد، رقم الحدیث ۲۱۳

(۱۶) المائدۃ ۵:۱۳

(۱۷) مریم ۱۹:۵۹

(۱۸) الأنعام ۶:۱۱۵

(۱۹) الرّوم ۳۰:۳۰

(۲۰) مفردات القرآن، ص ۸۷۹

(۲۱) الفاروق، ص ۹۸

(۲۲) ثروت صولت نے اپنی مشہور کتاب ''ملتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ'' میں ان مختلف مسلم علاقوں کا ذکر کیا ہے جن پر مغربی قوموں نے یلغار کی اور انھیں اپنے مقبوضات میں شامل کیا۔ لکھتے ہیں: ''سب سے پہلے ہسپانیہ والوں نے فلپائن سے مسلمانوں کو نکالا۔ اس کے بعد ہالینڈ والوں نے انڈونیشیا کے بڑے حصے پر قبضہ کرلیا۔ یہ زمانہ سترہویں صدی عیسوی کا تھا۔ اس کے بعد برّ کوچک پاکستان و ہند میں انگریزوں نے، شمالی اور مغربی افریقہ میں فرانسیسیوں نے اور سلطنتِ عثمانیہ کے شمالی حصے میں روسیوں نے مداخلت شروع کردی۔'' (۳۶۲/۲)

(۲۳) مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنی خودنوشت ''نقشِ حیات'' جلد اول کے نصف آخر میں ہندوستان میں انگریزوں کے تجارتی و مالی استحصال، سیاسی جبر و استبداد، اوقاف کی ضبطی، تعلیم اور صنعت کی بربادی کی پوری داستان، حوالوں اور شواہد کے ساتھ لکھی ہے۔ (نقشِ حیات، ۱/۱۳۳ تا آخر)

(۲۴) کلّیاتِ اقبال، ص ۵۳۸ (ارمغانِ حجاز)

(۲۵) النّحل ۱۶:۹۸

(۲۶) بیضاوی، ۱/ ۵۵۶

(۲۷) Clash of Civilizations.....اردو ترجمہ ''تہذیبوں کا تصادم''، ص ۶۱

(۲۸) توحید اور شرک: سید حامد علی، ص ۲۶۶

(۲۹) مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں.....:سورۃ المائدۃ کی آیت ۲۰، ﴿واتٰکم مالم یؤت احدا من العالمین﴾ میں، نعمتِ عظمیٰ سے مراد نعمتِ توحید ہے جو مسلمانوں سے پہلے پوری دنیا میں یہود کو دیگر قوموں سے ممتاز کرتی تھی۔ (تفسیر ماجدی، ص ۲۴۶)

(۳۰) المائدۃ ۵:۱۸

(۳۱) آل عمران ۳:۷۵

(۳۲) انجیل مرقس، ۱۲:۳۱

(۳۳) الفوزالکبیر.....تذکیر بالآء اللہ کی مکمل بحث

(۳۴) حدیث نبوی.....((ما من مولود یولد علی الفطرۃ.....الجامع الصّحیح للبخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل فی اولاد المشرکین، (رقم الحدیث ۱۳۸۵)، ص ۱۰۸

(۳۵) آل عمران ۳:۶۴

(۳۶) ایضاً

(۳۷) الحجرات ۴۹:۱۳

(۳۸) قصص القرآن، ۱/۳۰۵.....مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی لکھتے ہیں: ''مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور مقدس دیوتا ''آمن راع'' (سورج دیوتا) تھا۔ اور بادشاہِ وقت اس کا اوتار اور ''فاراع'' کہلاتا تھا۔ یہی فاراع.....عربی میں فرعون کہلایا۔''

(۳۹) برہمنوں کے بعض خاندان سورج اور چاند سے جا کر اپنا سلسلۂ نسب جوڑتے تھے۔ ان خاندانوں کے حالات اور ان کے اخلاف کا بیان ہندوؤں کی مذہبی کتب ''پرانوں'' کا اہم موضوع ہے۔ (عمادالحسن فاروقی، ''دنیا کے بڑے مذہب''، ص ۳۹)

(۴۰) Arnold J. Toynbee .... Civilization on Trial, P: 205

(۴۱) Civilization on Trial, P: 212

(۴۲) الفتح ۴۸:۲۹

(۴۳) المائدۃ ۵:۵۴

(۴۴) محمد مارماڈیوک پکتھال کے خطبات.....بعنوان "اسلامک کلچر" (ترجمہ) محمد ایوب منیر، ص ۱۴۴

(۴۵) ایضاً، ص ۵۸

(۴۶) البقرۃ ۲:۲۵۶

(۴۷) المائدۃ ۵:۳۲

(۴۸) الفاروق، ص ۱۳۵

(۴۹) حجۃ اللہ البالغہ (اردو ترجمہ) ارتفاقِ رابع کی بحث.....۱/۲۹۹ ومابعد

(۵۰) الأنفال ۸:۳۹

(۵۱) روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۵ اکتوبر ۲۰۰۸ء، ص ۳

(۵۲) الرّوم ۳۰:۴۱

(۵۳) التّفسیر الکبیر، ۲۰/ ۱۰۳

(۵۴) الحدید ۵۷:۲۵

(۵۵) مفردات القرآن، ص ۴۹۴

(۵۶) البقرۃ ۲:۱۳۸

(۵۷) الشّعرآء ۲۶:۳

(۵۸) کلیاتِ اقبال، ص ۲۸۹